ی بکمال وتمام مدح سرائی کے باوجود سرجدوناتھ سرکار جس نے اورنگ زیب اور اس کے پہلو بہ پہلو سیواجی پر تحقیقی کام کرنے میں اپنی عمر عزیز کے تقریباً پچیس سال صرف کر کے تحقیق و تفحص کی دنیا میں یقیناً ایک عظیم خدمت انجام دی، ہندو پد پادشاہی کے نمائندے شیواجی کی کثیر فوج میں (جو دو لاکھ پانچ ہزار فوجیوں اور چھیانوے کمانڈروں پر مشتمل تھی) تلاش بسیار کے باوجود صرف سات سو بیجاپوری سپاہ کے مغرور اور برخاست شدہ (Disbanded) پٹھان فوجیوں کو ہی شمار کر اسکے اور کمانڈروں میں سیدی حلال اور نور خاں نیز امرار البحر (Admirals) میں سیدی سنبل، سیدی مصری اور دولت خاں اور خارجہ سیکریٹری قاضی حیدر کا نام ہی اپنی تصنیف کے اوراق میں ثبت کر سکے۔ لیکن سیواجی کے مسلم ملازمین کی یہ فہرست یقیناً نامکمل رہے گی اگر ہم اس کے ذاتی خدمت گار فراش مداری مہتر کو شامل نہ کریں فراش مداری مہتر کے تعاون سے ہی سیواجی آگرہ سے فرار ہوا تھا۔ بہرحال یہاں مداری مہتر کی خدمات کو واضح کرنے کی چنداں ضرورت نہیں کہ بچہ بچہ ایک مہتر کے "فرائض منصبی" سے بخوبی واقف ہے۔ قاضی حیدر کو عربی، فارسی جاننے کے سبب امور خارجہ کا انچارج بنایا تھا (قاضی صاحب نے سمبھاجی کے عہد حکومت میں اس کے مظالم سے تنگ آکر شہنشاہ اورنگ زیب کی ملازمت اختیار کر لی تھی جہاں وہ دہلی کے قاضی القضاۃ بنائے گئے) عام طور سے حکومتیں علوم و فنون اور تمام زبانوں کی سرپرستی کیا کرتی ہیں لیکن سیواجی کو فارسی زبان سے انتہائی نفرت تھی اور اسے وہ غلامی کی علامت سمجھتا تھا لہٰذا اس نے سنسکرت زبان کو اپنی سرکاری و دفتری زبان بنانے کے لئے رگھوناتھ پنت ہنومنتے کی سرکردگی و رہنمائی میں پنڈتوں کی ایک جماعت سے "راج بیوہار" نام کا ایک فرہنگ تیار کرایا۔ اور فارسی کو اپنی حکومت سے جلا وطن کر دیا گیا۔ بحری فوج کی سربراہی مسلمانوں کے سپرد کرنا سیواجی کی مجبوری تھی کیونکہ آج تک برادرانِ وطن بحری سفر کو مذہباً "مہا پاپ" خیال کرتے تھے۔ جہاں تک مسلم بزرگانِ دین کے احترام کا سوال ہے تو بقول مرہٹہ مورخ گووند سکھارام سردیسائی ہمیں یہ تسلیم

کو سیواجی کیلسی کے بزرگ بابا یاقوت کو اپنا "دھرم گرو" مانتے تھے مگر دوسری طرف ہم دیکھتے ہیں کہ نومبر ۱۶۷۹ء میں جالنا کے نواح میں شیخ جان محمد کی خانقاہ کو سیواجی تاراج کرتا ہوا نظر آتا ہے یہاں تک کہ اس خدارسیدہ بزرگ کو ڈرایا دھمکایا اور ہتک آمیز سلوک کرتے ہوئے انھیں گالیاں تک دیں۔ کہا جاتا ہے کہ اُس کی اِس بدسلوکی سے کبیدہ خاطر ہو کر شیخ علیہ الرحمۃ نے اُسے بد دعا دی جس کے نتیجہ میں وہ (سیواجی) پانچ ماہ بعد ۳ اپریل ۱۶۸۰ء کو اپنی خانگی زندگی یعنی بیوی بچوں سے تنگ و عاجز آکر نہایت مایوس کن حالات میں اس دنیا سے کوچ کر گیا تھا۔

دراصل سیواجی کی نگاہیں روزِ اول ہی سے ہندو دھرم کے عظیم احیائی منصوبہ پر مرتکز تھیں چنانچہ وہ نومسلموں کو حرص و طمع اور ترغیب و ترہیب کے ذریعہ ازسرِ نو شدھی کرلیا کرتے تھے۔ بالاجی نمبالکر اور نیتاجی پالکر اس کی روشن مثال ہیں۔ وہ خود کو بقر (گاؤ) و برہمن کا محافظ و سرپرست خیال کرتے تھے جیسا کہ مفرور مغل منصب دار چھترسال بندیلہ سے دورانِ ملاقات اس کی جذباتی اور اشتعال انگیز گفتگو سے ثابت ہے۔ فی الحقیقت کچھ تو پیدائشی طور پر اور کچھ تربیتی اثرات کے تحت وہ اتنے متعصب اور کٹر قسم کے ہندو واقع ہوئے تھے کہ خود اپنے باپ شاہ جی کو محض اِس وجہ سے ناپسندیدہ اور نفرت کی نگاہوں سے دیکھتے تھے کہ وہ رندولہ خاں کی ماتحتی میں بیجاپوری ملازمت اختیار کئے ہوئے تھے۔ چنانچہ شاہ جی کی بیجاپوری سلطنت کے تئیں وفاداری اور خدمات کے پس منظر میں پیشواؤں کے اتہاس (۱۷۸۳ء) میں نانا فرنویس رقمطراز ہیں کہ "شاہ جی نے بھارت کو ایک مسلم ملک بنانے اور ہندو دھرم کے استیصال میں "ترکوں" (مسلمانوں کے لئے حقارت آمیز لفظ) سے تعاون کر کے جو ذلیل و کمینہ برتاؤ (آچرن) کیا وہ بھگوان کو بھی اچھا نہ لگا۔" بہرسو تمام ترتاویلات کے بعد بھی سرجدوناتھ سرکار کو اپنے آنجہانی ممدوح کے اِس مذہبی کٹر پن (Orthodoxy) کے بارے میں یہ کہنا ہی پڑا کہ "سیواجی کے

سوراج کا آدرش جس مقدار میں (ہندو) کٹرپن پر منحصر تھا اسی تناسب سے اس کی تباہی اور
موت کے بیج اس میں مضمر تھے۔ (In Proportion as Shivajis ideal
of a Hindu 'Swaraj' was based one orthodox)
it contained with in itself the seed of its
own death". See 'Shivaji and his times', P.3
Sixth Edition, F. 1961)

اورنگ زیب کے امراء میں غیر مسلم منصب داروں کے اعداد و شمار کی وضاحت کے بعد اس
ایرانی امراء (شیعی) کے فیصد تناسب اور حیثیت پر بھی اختصاراً عرض کرنا ضروری ہے تاکہ
یتیں وغیرہ تفویض کرنے کے سلسلہ میں اس کا نظریہ سیکولرزم قدرے وضاحت سے ناظرین
سامنے آسکے۔ اکثر ہندو مورخین نے اُسے 'ہندوکش' ہونے کے ساتھ 'رافضی کش' بھی بتلایا
نیز یہ کہ وہ انھیں بالعموم 'ایرانی غول بیابانی' کے الفاظ سے یاد کیا کرتا تھا اور انھیں شدید
ت اور حقارت آمیز نظروں سے دیکھتا تھا کیونکہ اُس کے نزدیک اہلِ تشیع اسلام دشمن لوگ
ہے۔ اور یہ بھی کہ جنگ برادران میں اس نے اہل تسنن کو اہل تشیع کے بالمقابل کمربستہ اور
سر پیکار کر دیا تھا۔ لیکن اُس کے کل منصب داروں کے اعداد و شمار پر نظر کرنے کے بعد
تو یہ دعویٰ ہی قابل قبول ہو سکتا ہے اور نہ اس کی شیعہ دشمنی ہی ثابت ہوتی ہے۔ کیونکہ
سموگڈھ (مئی ۱۶۵۸ء) ایک ہزاری اور اس سے بلند تر درجات کے ایک سو چوبیس
منصب داروں میں ستائیس یعنی اکیس اعشاریہ آٹھ فیصد ایرانی امراء اورنگ زیب کے

ھ ہندوی سوراج کی اصطلاح سیواجی نے اپنے اُس مراسلہ میں استعمال کی ہے جو انھوں نے دادا جی نرس پربھو
ارسال کیا تھا۔ دیکھئے "دی مرہٹی سسٹم آف دی مرہٹاز" از ڈاکٹر سریندر ناتھ سین ص ۷ طبع ۱
طبوعہ اکتوبر ۱۹۵۸ء۔

فوجدار تھے۔ ان میں چار کا منصب پانچ ہزاری اور اس سے بلند تر تھا، جن میں اُس (اورنگ زیب) کا ماموں امیر الامراء مرزا ابوطالب شائستہ خاں اور محمد سعید میر جملہ سات سات ہزاری ذات و سوار اور دو اسپہ سہ اسپہ منصب پر فائز تھے۔ یہ دونوں سموگڑھ کے معرکہ میں اورنگ زیب کے کمانڈر تھے۔ دوسری طرف شہزادہ بلند اقبال داراشکوہ کے ستاسی منصب داروں میں تیئیس (۲۶۔۴۳ فیصد) ایرانی تھے یعنی اورنگ زیب کے شیعی امراء سے صرف چار اعشاریہ آٹھ فیصد زیادہ۔

جنگِ وراثت میں اورنگ زیب کی مکمل فتح و کامرانی یعنی ۵ جون ۱۶۵۹ء کو اورنگ نشینِ سلطنت[۵۰] ہونے کے بعد بھی ایرانیوں کی شاہی ملازمت میں تعدادی قوت اور مناصب و درجات پر کوئی اثر نہ پڑسکا اور ان کی حیثیت علی حالہٖ قائم رہی۔ حکیم برنیر بھی اپنے سفر نامہ میں اس امر کا اعتراف کرتا ہے کہ اورنگ زیب کے غیر ملکی امراء کا معتدبہ حصہ ایرانیوں پر مشتمل ہے۔ برنیر کے اس قول میں کسی قسم کی مبالغہ آرائی کو دخل نہیں ہے کیونکہ اس کی حکومت کے نصف اول میں چار سو چھیاسی منصب داروں میں ایک سو چھتیس (تقریباً ۲۸ فیصد) ایرانی امراء تھے جبکہ تورانیوں (اہلِ تسنن) کی تعداد ستر سٹھ یعنی تیرہ فیصد ہی تھی۔ البتہ اس کے دورِ حکومت کے نصف آخر میں پانسو پچھتر منصب داروں میں سے ایرانی ایک سو چھبیس (تقریباً بائیس فیصد) تھے۔ اس معمولی تخفیف کا سبب اس کے آخری دورِ حکومت میں مرہٹوں کا شاہی ملازمتوں میں

۵۰۔ اورنگ زیب کی رسم تخت نشینی دو دفعہ عمل میں آئی۔ اول مرتبہ جنگ سموگڑھ کے بعد یکم ذیقعدہ ۱۰۶۸ھ مطابق ۲۱ جولائی ۱۶۵۸ء کو۔ اس کا مادۂ تاریخ اطیعوا اللہ و اطیعوا الرسول و اولی الامر منکم سے مستخرج ہوتا ہے اور دوسری مرتبہ ۲۴ رمضان ۱۰۶۹ھ مطابق ۵ جون ۱۶۵۹ء کو تکمیلی طور پر یہ رسم ادا کی گئی جبکہ وہ ابوالمظفر محی الدین اورنگ زیب عالمگیر بادشاہ غازی کے نام سے سریر آرائے سلطنت ہوا۔

شمولیت تھا، جس کا اثر نہ صرف ایرانیوں بلکہ راجپوتوں، افاغنہ، ہندوستانیوں اور تورانی امراء کی تعداد پر بھی پڑا واضح ہو کہ شہنشاہ خود تورانی النسل تھا، باوجود یکہ دونوں وقفوں میں تورانی (سنی) علی الترتیب تیرہ اور بارہ فیصد ہی تھے۔ گویا تورانیوں کی تعداد اورنگ زیب کے پورے عہد حکومت میں پست ہی رہی۔ عصری سیاح ٹیورنیر کا بیان ہے کہ مغل مملکت میں ایرانی بلند ترین عہدوں پر تابعض ہیں۔ ٹیورنیر کا بیان مبنی بر صداقت ہے کیونکہ اورنگ زیب کے اول دور حکومت میں تیئیس ایرانی پنج ہزاری یا اس سے بلند تر منصب پر فائز تھے۔ جبکہ تورانی صرف نو ہی تھے اور دور آخر میں بلند ترین مناصب پر چودہ ایرانی تھے جبکہ تورانی صرف چھ۔ دراصل ایرانیوں کی بہتر پوزیشن قائم رہنے کے مختلف وجوہ تھے۔ اولاً دکن کی خود مختار شیعی ریاستوں کا مغل امپائر میں الحاق، جن کے شیعی امراء شاہی ملازمت میں شریک ہوگئے۔ ثانیاً ایرانی، تورانیوں اور افغانوں کی بہ نسبت زیادہ مہذب ہوتے تھے۔ افاغنہ (پٹھانوں) کو مغل تہذیبی اعتبار سے نہایت پست اور حقیر خیال کرتے تھے۔ شہنشاہ بابر کہا کرتا تھا کہ "یہ پٹھان بھی بڑے گنوار اور جاہل ہیں[۲۳]۔" ثالثاً اورنگ زیب اہلِ خواف (ایران کے صوبہ خواف کے باشندوں) پر نہایت اعتماد کیا کرتا تھا۔ اس دعوے کی تائید میں یہاں بخوفِ طوالت صرف میر کی سعید الدین احمد خانی کا نام پیش کرنے پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ امیر موصوف کا شمار اورنگ زیب کے انتہائی معتمد علیہ امراء میں ہوتا ہے۔ کابل و دکن کی دیوانی کے فرائض نہایت حسنِ تدبیر سے انجام دیئے [illegible] سے تاریخِ وفات [illegible]

[illegible]

[illegible] ... اور کی حیثیت دیگر نسلوں ... [illegible]

شہنشاہ کے نہایت متشرع ہونے کے باوجود کوئی اثر نہیں پڑا۔ چنانچہ ایک دفعہ جب بادشاہ کے حضور عرض کیا گیا کہ بخشی الممالک (Pay Master General) شیعہ ہے تاہم اس نے کسی اور تقرر کرنے سے انکار کر دیا۔ لہذا ہم دیکھتے ہیں کہ اس کے دورِ حکومت کی بیشتر مدت میں بخشی الممالک شیعہ ہی رہے۔ مثلاً سربلند خاں (م ۱۶۷۹ء) ۱۶۷۲ء میں بخشیِ دوئم اور بعد ازاں بخشی الممالک کے عہدے پر سرفراز کیا گیا۔ بعد ازاں روح اللہ خاں پسر خلیل اللہ خاں جنوری ۱۶۸۸ء تا ۱۶۹۲ء اس اہم ترین عہدہ پر تعینات رہا۔ میر حسن خانزادگان عرف روح اللہ خاں ثانی جس نے ۱۷۰۴ء میں عین عالم شباب میں انتقال کیا، ۱۶۹۲ء میں بخشی دوئم اور اپنی وفات کے وقت خانساماں[ع] کے معزز عہدہ پر مقرر تھا۔ علاوہ ازیں مخلص خاں پسر صف شکن خاں متوفی ۱۷۰۱ء، بہرہ مند خاں متوفی ۱۷۰۲ء اور مرزا صدر الدین خاں صفوی (جو بہادر شاہ اول کے دورِ حکومت میں شاہنواز خاں کے خطاب سے مفتخر کیا گیا) بخشی گری کے عہدہ پر فائز رہ چکے تھے[۲۴]۔ مزید برآں بہت سے دیگر ایرانی (شیعی) دوسرے اعلیٰ ترین اور بلند مناصب پر قابض تھے۔ مثال کے طور پر رعد انداز خاں جیسے ستنامیوں کی بغاوت کو فرو کرنے کے صلہ میں شجاعت خاں کے خطاب سے نوازا گیا۔

ع مغل عہدِ حکومت میں خانساماں (High Steward) یا میر ساماں انتہائی اہمیت کا حامل عہدہ تھا جس کے تحت شاہی محل و حرم، مطبخ اور شاہی کارخانوں کا انتظام و انصرام نیز شہنشاہ کے ... کا ذمہ ہوتا تھا۔ وہ شہنشاہ کے سفر و حضر میں سایہ کی طرح ہمیشہ ... تھا۔ بادشاہ کا نجی عملہ بھی اسی کی ماتحتی میں اپنے فرائض انجام دیتا ... اعلیٰ (وزیر اعظم) کے بعد یہ دوسرے درجہ کا عہدہ تھا۔ چنانچہ یہ ... اور معتمد علیہ شخصیت کے سپرد کیا جاتا تھا۔ ملاحظہ ہو مغل ایڈمنسٹریشن ...

شمولیت تھا، جس کا اثر نہ صرف ایرانیوں بلکہ راجپوتوں، افاغنہ، ہندوستانیوں اور تورانی امراءؑ کی تعداد پر بھی پڑا واضح ہو کہ شہنشاہ خود تورانی النسل تھا، باوجودیکہ دونوں وقفوں میں تورانی (سنی) علی الترتیب تیرہ اور بارہ فیصد ہی تھے۔ گویا تورانیوں کی تعداد اورنگ زیب کے پورے عہد حکومت میں پست ہی رہی۔ عصری سیاح ٹیورنیر کا بیان ہے کہ مغل مملکت میں ایرانی بلند ترین عہدوں پر قابض ہیں۔ ٹیورنیر کا بیان مبنی بر صداقت ہے کیونکہ اورنگ زیب کے اول دورِ حکومت میں تیئیس ایرانی پنج ہزاری یا اس سے بلند تر منصب پر فائز تھے۔ جبکہ تورانی صرف نو ہی تھے اور دورِ آخر میں بلند ترین مناصب پر چودہ ایرانی تھے جبکہ تورانی صرف چھ۔ دراصل ایرانیوں کی بہتر پوزیشن قائم رہنے کے مختلف وجوہ تھے۔ اولاً دکن کی خود مختار شیعی ریاستوں کا مغل امپائر میں الحاق، جن کے شیعی امراء شاہی ملازمت میں شریک ہو گئے۔ ثانیاً ایرانی، تورانیوں اور افغانوں کی بہ نسبت زیادہ مہذب ہوتے تھے۔ افاغنہ (پٹھانوں) کو مغل تہذیبی اعتبار سے نہایت پست اور حقیر خیال کرتے تھے۔ شہنشاہ بابر کہا کرتا تھا کہ "یہ پٹھان بھی بڑے گنوار اور جاہل ہیں۔"[۳۳] ثالثاً اورنگ زیب اہلِ خواف (ایران کے صوبہ خواف کے باشندوں) پر نہایت اعتماد کیا کرتا تھا۔ اس دعوے کی تائید میں یہاں بخوفِ طوالت صرف میرک معین الدین احمد خوافی کا نام پیش کرنے پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ امیر موصوف کا شمار اورنگ زیب کے انتہائی معتمد علیہ امراء میں ہوتا ہے۔ کابل و دکن کے دیوانی کے فرائض نہایت حسنِ تدبیر سے انجام دیتے ہوئے میرک معین الدین نے ۱۰۹۵ھ میں رحلت فرمائی۔ "سید بہشتی شد" سے تاریخ وفات برآمد ہوتی ہے۔[۳۴]

اورنگ زیب کے دورِ فرمانروائی میں ایرانی امراء کی حیثیت دیگر نسلوں، ذاتوں اور فرقوں کے بالمقابل بہتر و برتر ہونے کے باوجود سرجدو ناتھ سرکار فرماتے ہیں کہ ایرانیوں کے سلسلہ میں اورنگ زیب کا طبعی عدم اعتماد اس کے سارے امورِ جہانبانی میں مسلسل مانع رہا۔"[۳۵] لیکن اس کے برعکس تاریخی شواہد اور خود مورخ موصوف کی تحقیقات ہی سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ایرانی امراء کے بلند مراتب پر

شہنشاہ کے نہایت متشرع ہونے کے باوجود کوئی اثر نہیں پڑا۔ چنانچہ ایک دفعہ جب بادشاہ کے حضور عرض کیا گیا کہ بخشی الممالک (Pay Master General) شیعہ ہے تاہم اس نے کسی اعتراض کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ لہذا ہم دیکھتے ہیں کہ اس کے دورِ حکومت کی بیشتر مدت میں بخشی الممالک شیعہ ہی رہے۔ مثلاً سربلند خاں (م ۱۶۷۹ء) ۱۶۷۲ء میں بخشیِ دوم اور بعد ازاں بخشی الممالک کے عہدے پر سرفراز کیا گیا۔ بعد ازاں روح اللہ خاں پسر خلیل اللہ خاں جنوری ۱۶۸۰ء تا ۱۶۹۲ء اس اہم ترین عہدہ پر تعینات رہا۔ میر حسن خانزادگان عرف معتمد خاں ثانی جس نے ۱۷۰۳ء میں عین عالم شباب میں انتقال کیا، ۱۶۹۲ء میں بخشی دوم اور اپنی وفات کے وقت خانساماںٔ کے معزز عہدہ پر مقرر تھا۔ علاوہ ازیں مخلص خاں پسر صف شکن خاں متوفی ۱۷۰۱ء، بہرہ مند خاں متوفی ۱۷۰۲ء اور مرزا صدر الدین خاں صفوی (جو بہادر شاہ اول کے دورِ حکومت میں شاہنواز خاں کے خطاب سے مفتخر کیا گیا) بخشی گری کے عہدہ پر فائز رہ چکے تھے[۲۴]۔ مزید برآں بہت سے دیگر ایرانی (شیعی) دوسرے اعلیٰ ترین اور بلند مناصب پر قابض تھے۔ مثال کے طور پر رعد انداز خاں جیسے ستنامیوں کی بغاوت کو فرو کرنے کے صلہ میں شجاعت خاں کے خطاب سے نوازا گیا۔

ع مغل عہدِ حکومت میں خانساماں (High Steward) یا میر ساماں انتہائی اہمیت کا حامل عہدہ تھا جس کے تحت شاہی محل و حرم، مطبخ اور شاہی کارخانوں کا انتظام و انصرام نیز شہنشاہ کی حفاظت کا ذمہ ہوتا تھا۔ وہ شہنشاہ کے سفر و حضر میں سایہ کی طرح ہمیشہ ساتھ رہتا تھا۔ بادشاہ کا نجی عملہ بھی اسی کی ماتحتی میں اپنے فرائض انجام دیتا تھا۔ دیوانِ اعلیٰ (وزیرِ اعظم) کے بعد یہ دوسرے درجہ کا عہدہ تھا۔ چنانچہ یہ عہدہ نہایت بااثر اور معتمد علیہ شخصیت کے سپرد کیا جاتا تھا۔ ملاحظہ ہو مغل ایڈمنسٹریشن از پروفیسر سرکار۔

قلعہ اکبر آباد کا کمانڈنٹ اور پانچ ہزاری منصب دار تھا۔ اس کے کارہائے نمایاں سے عہد عالمگیر کی تاریخ بھری پڑی ہے، یہ ۱۶۷۲ء میں افغانوں سے داد شجاعت دیتا ہوا کرا پا درہ میں مارا گیا۔ عمدۃ الملک جعفر خاں اورنگ زیب کا وزیر (Chancellor) اور اس کا لڑکا کامگار خاں ۱۶۸۵ء میں عہدۂ خانساماں پر مامور تھا۔ عنایت اللہ جو اورنگ زیب کا پرسنل سکریٹری تھا ۱۶۹۲ء میں دیوانِ تن اور ۱۶۹۵ء میں دیوانِ خالصہ کے عہدہ پر تعینات کیا گیا تھا۔ اسی طرح موسوی خاں عرف مرزا معز فطرت ہمزلفِ اورنگ زیب ۱۶۸۸ء میں دیوانِ تن اور بعد ازاں دیوان بنایا گیا۔ میر ملک حسین خاں خانِ جہاں کوکلتاش ظفر جنگ اورنگ زیب کے اعلیٰ ترین امراء میں تھا جس نے ایک عرصہ تک دکن میں نمایاں خدمات انجام دیں۔ حافظ محمد امین خاں پسر میر جملہ جو نہایت غالی شیعہ تھا ۱۶۷۲ء سے اپنی وفات (۱۶۸۲ء) تک گجرات کا صوبیدار رہا اور میرزا امید خاں پسر شائستہ خاں فاتح چٹ گام و آسام ۱۶۸۲ء سے ۱۶۹۲ء تک بہار کا گورنر تھا۔ غازی الدین بہادر فیروز جنگ اورنگ زیب کے سپہ سالاروں میں امتیازی شخصیت کا حامل تھا۔ ۱۶۸۵ء میں محاصرۂ بیجاپور کے دوران شہزادہ اعظم اور اس کی سپاہ کو نیست نابود اور تباہ ہونے سے بچانا اسی فیروز جنگ کی حوصلہ مندی اور سوجھ بوجھ کا کام تھا۔ شہنشاہ اورنگ کے امیر عسکر اور مصاحب خاص عاقل خاں رازی کے بارے میں کچھ کہنا تحصیل حاصل ہوگا کہ اس کی شخصیت سے تاریخ کا ابجد خواں بھی واقف ہے۔ اورنگ زیب کے ایرانی امراء میں سات ہزاری منصب داروں کی تعداد چھ تھی جبکہ شاہ جہاں کی حکومت کے اواخر میں شاہی خاندان کے باہر سات ہزاری ذات و سوار کا معزز منصب صرف تین امراء یعنی علی مردان خاں، سعید خاں اور اسلام خاں کو نصیب ہوا جن میں اول الذکر ہی شیعہ تھا۔ آصف خاں کو جو نو ہزاری ذات و سوار کا منصب دار تھا، مستثنیٰ سمجھنا چاہیے کیونکہ وہ شاہ جہاں کا خسر تھا جس نے شاہ جہاں کو اورنگ نشین کرنے میں نمایاں خدمات انجام دی تھیں۔ اس کے برعکس رافضی کش اورنگ زیب کا

امرا میں شائستہ خاں، میر ملک حسین کوکلتاش، خانِ خاناں میر جملہ اور محمد ابراہیم خلیل اللہ خاں عرف مہابت خاں سات سات ہزاری ذات وسوار اور دو اسپہ وسہ اسپہ نیز محمد ابراہیم اسفہانی اور عزیز الدین بہرہ مند خاں سات سات ہزاری ذات کے منصب دار تھے۔ اگر ان سات ہزاری امرا کی فہرست میں دکن کی شیعی ریاستوں کے مغل سلطنت میں انضمام کے بعد وہاں سے آئے ہوئے دو امرا نواب عبدالرؤف خاں میانہ[28] عرف دلیر خاں اور سید مخدوم عرف شرزہ خاں بعدہٗ رستم خاں مہدوی[29] کو بھی شریک کر لیا جائے تو یہ تعداد آٹھ ہو جاتی ہے۔ مندرجہ بالا شواہد کے پیشِ نظر بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ اورنگ زیب نے Careers open to talent پر عمل کرتے ہوئے بلا امتیاز مذہب و ملت قابل لوگوں کے لئے شاہی ملازمتوں کے دروازے مکمل طور پر کھول رکھے تھے جو اس کے سیکولر ہونے کی بین دلیل ہے۔ یہی نہیں شہنشاہ اپنے امرا کے رنج وراحت میں بھی برابر شریک رہتا تھا۔ بخشی الممالک روح اللہ خاں جب بسترِ مرگ پر آخری سانسیں گن رہا تھا تو بادشاہ بہ نفسِ نفیس اُس کی عیادت کو گئے اور اسے تسکین دیتے ہوئے فرمایا کہ انسان کو کسی حال میں بھی رحمتِ خداوندی سے مایوس نہیں ہونا چاہیے، اپنی جو کچھ خواہش ہو بتلائیے اُسے پورا کیا جائے گا۔ چنانچہ اُس کی حسبِ خواہش اورنگ زیب نے اُس کی اولاد کے ساتھ ہمیشہ نہایت فیاضانہ سلوک روا رکھا۔[30]

(باقی آئندہ)

ہادیٔ عالم، محسن انسانیتؐ
غیروں کی نظر میں
(۲)

محمد سعید الرحمٰن شمس، مدیر نصرۃ الاسلام کشمیر

نپولین بوناپارٹ نے لکھا ہے:

"I Praise God and have reverence for the Holi Prophct Muhammad and the Holi Quren"

یعنی میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کرتا ہوں اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کی تعظیم و تکریم کرتا ہوں۔

ریلنڈ گیلام جو لندن یونیورسٹی کے پروفیسر تھے پیغمبر اسلامؐ کے تئیں یوں رقمطراز ہیں:

"At the out Set let it se Sind that Mohammed (peace se upon hing) was one of the great figures of

history whose over mastering convic-
tion was that there was one God
alone and there shold se one
community of selivere this a sility
as a statesman faced with proslems
of extra ordinrary complexity
istruly amazing with all the
Pover of armies policeand civil
service no Aras has ever snec
eeded in holding is country man
together as he did"

یعنی ابتداءمیں مجھے یہ کہنا چاہیئے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تاریخ میں عظیم ہستیوں میں سے ایک ہیں جن کا یہ یقین کامل تھا کہ خالقِ کائنات یکتا وتنہا ہے اور مسلمانوں کی ایک ہی ملت ہونی چاہیئے انھیں غیر معمولی پیچیدہ مسئلوں کا سامنا تھا لیکن ایک مدبر اعظم کی حیثیت سے ان کی قابلیت یقیناً حیران کن ہے۔ کوئی بھی عرب اپنی فوجی پولیس اور سول سروس کی طاقت کے باوجود آج تک ابھی اپنے ہم وطنوں کو متحد رکھنے میں اس طرح کامیاب نہیں ہوا جس طرح حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کامیاب ہوئے۔

ڈیل بائیون شینڈر اپنی کتاب (RELITIONS OF THEEST) میں لکھتا ہے:

"When Mohammed (peace se upon him)

died in 632. A.D. virtually all of
Assia his under his Contkol Hehad
Succeded in uniting his countrymen
as had no other Aras sefore him
in a centrry aftr the Jounding
of Islam the Jollowers of Mohammed
seeame the Master of an empire
greeter than that of Rome
at its zenith."

یعنی جب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ۶۳۲ء میں انتقال کر گئے تو لگ بھگ
سارا عرب ان کے زیرنگیں تھا۔ وہ اپنے ہم وطنوں کو متحد کرنے میں اس طرح
کامیاب ہوئے جس طرح کوئی بھی عرب ان سے پہلے کامیاب نہیں ہوا
تھا۔ اسلام کے وجود میں آنے کے بعد ایک ہی صدی میں حضرت سید الکونین
صلی اللہ علیہ وسلم کے پیرو کار ایک ایسی مملکت کے حکمراں بن گئے جو
کمال عروج کے وقت کی سلطنت روم سے زیادہ بڑی اور وسیع تھی۔"

سر ولیم میور جو اسلام اور پیغمبر اسلام کے سخت ترین نقادوں میں شامل ہے
اپنی کتاب LIFE OF MOHAMMED میں یوں اعتراف حق کرتا ہے:

"THe first peculiarity then wich
attracts our atten tion in the sus
division of the Arass in to innom
era sle Sedies ..... each independentof